محمد صدیق شاہ بخاری

رواداری کی آکاس بیل اور ہماری اقلیتیں

جناب ابن الحسن صاحب، وطن کے معزز محترم اور نامور قلمکار ہیں۔ ان دنوں صاحب فراش ہیں۔ (۱) انہوں نے کراچی کے آر ایم آئی ہسپتال سے زندگی کی نازک ساعتوں میں قوم کے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"پوری قوم کے ذہن میں ایک بات بٹھا دیجئے کہ ہماری عدم رواداری نے داخلی مسائل بھی ان گنت پیدا کئے ہیں اور خارجی بھی۔ صبرو تحمل اور برداشت کی روایت ہمارے معاشرے سے ختم ہوتی جارہی ہے۔ جس کے نتیجے میں تہذیب و شائستگی کو فروغ ملنے کے بجائے غیر انسانی جذبے پروان چڑھ رہے ہیں۔ سیاسی سطح پر بھی معاشرتی سطح پر بھی۔ اخلاقی اقدار سے تو ایک توازن قائم رہتا ہے۔ اور باہمی احترام کے جذبے سے انسانی معاشرے میں صحت مند رجحانات نشوونما پاتے ہیں۔ دکھ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے نقوش مدھم پڑ گئے ہیں۔ دوسرا دکھ یہ ہے کہ ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ کچھ اچھا طرز عمل اختیار نہیں کیا۔ باہر کی دنیا میں ہماری بڑی رسوائی ہوئی ہے۔ اس رسوائی میں ایک تو ہمارے خلاف منفی پراپیگنڈے کا عمل دخل ہے مگر اس سے زیادہ ہمارے رویوں اور قانونی ضابطوں کا ہے" (روزنامہ جنگ لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۹۴ء)

اس پیغام کو لفظوں کی قبائے دلکش پہنا کر ہم تک پہنچانے کا شرف حاصل کیا ہے مکرم جناب الطاف حسن قریشی صاحب نے ان دونوں شخصیات کے پورے دلی احترام کے باوجود میں یہ کہنے کی جسارت چاہتا ہوں کہ شاید یہ حضرات بھی رواداری کی اس آکاس بیل کو پانی دینے میں شامل ہو گئے ہیں۔ جس نے پہلے ہی امت کے شجر حمیت کو زرد کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل غیر شعوری ہی ہو گا کہ وبا پھیلے تو نہ چاہتے ہوئے بھی تندرست و توانا اس کی زد میں آجاتے ہیں۔

مذکورہ پیغام کی پہلی اہم بات ہماری "عدم رواداری" ہے قومی ذرائع ابلاغ سے لیکر عالمی میڈیا ز تک میں اس الزام کی گردان کچھ اس تسلسل سے ہو رہی ہے کہ اب اپنوں کو بھی یہ گمان ہونے لگا ہے کہ شاید ہم واقعی عدم رواداری کا شکار ہیں۔ فن پراپیگنڈہ نے تو الفاظ و اقدار کے معانی بھی بدل کے رکھ دیئے ہیں۔ آج ان معانی کو حقائق کی کسوٹی پہ پرکھنے کی کسے فرصت۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ رواداری نہ صرف اعلیٰ انسانی اقدار کا جزء اعظم ہے۔ بلکہ تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر بھی ہے۔ مگر تمام تر انسانی اقدار کا ایک مطلوبہ معیار ہی مقصود ہوتا ہے۔ اس سے کم یا

---

(۱) جناب ابن الحسن ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء کو انتقال فرما گئے یہ مضمون ان کی وفات سے پہلے تحریر کیا گیا تھا۔ مگر موضوع کی افادیت کے پیش نظر اسے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

زیادہ کی صورت میں وہی قدر ایک خوفناک اور مکروہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے قوت غضبیہ کی پسندیدہ مقدار شجاعت کہلاتی ہے۔ اس میں تفریط بزدلی ہے تو افراط جاھلیت ہے۔ قوت عقلیہ کی مناسب سطح حکمت و دانائی ہے کمی کی صورت میں حماقت اور زیادتی جزیرہ بن جاتی ہے۔ قوت شہوانیہ کی معتدل حد عفت و عصمت ہے۔ جبکہ کمی جمود اور اضافہ فسق و فجور ہے۔ بعینیہ رواداری حد سے بڑھ جائے تو بے عزتی و بزدلی بن جاتی ہے اور ضرورت سے بھی کم ہو جائے تو تعصب و تنگ نظری سمجھی جاتی ہے۔ شومئی قسمت سے غیروں کی گہری اور منظم سازش اور اپنوں کی سادگی، بھولپن بلکہ نادانی و حماقت سے آج امت مسلمہ سے جس قسم کی رواداری کی توقع و تلقین کی جارہی ہے وہ رواداری کی بلی بڑھی ہوئی حد یعنی بے غیرتی و بزدلی ہے۔ اور یہ تو لفظ رواداری کے محقق۔ مسلم اصطلاحی مفہوم بلکہ لغوی مفہوم کے بھی خلاف ہے۔

مہذب اللغات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ " رواداری اس حد تک برتنا چاہیئے جہاں تک مذہب پر کوئی آنچ نہ آنے پائے " اور ترقی اردو بورڈ کراچی کی شائع کردہ اردو لغت کے مطابق " روادار وہ شخص ہوتا ہے جو ایسی بات کو درست جائز، مباح یا برداشت کرے جس میں کوئی مذہبی اخلاقی یا قانونی حرج نہ ہو۔ " مگر رواداری کے " جدید مفہوم " کے پرچارک اس بات کیلئے عالمی پیمانے پر کوشاں ہیں کہ رواداری کے نام پر دل مسلم سے دینی غیرت کا خانہ خالی کر کے بزدلی، کم ہمتی اور بے غیرتی کو وہاں براجمان کر دیا جائے۔ اور جہاں جہاں سے امت کے احیاء، ملی اقتدار کی بقا اور اسلامی تشخص کے تحفظ کی آواز بلند ہو اسے نہ صرف دبا دیا جائے بلکہ یہ کہہ کر اسے فنا کر دیا جائے کہ اسلام تو بس رواداری کا دین ہے۔ جہاں کہیں کسی نے جب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے تو اسے یہی کہہ کر روکا جاتا ہے کہ آخر تم کفر و باطل کو، ظلم و ستم کو، شرک و بدعت کو، ارتداد و الحاد کو برداشت کیوں نہیں کرتے کہ اسلام تو تمہیں رواداری سکھلاتا ہے۔ بے شک ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین اور حامی و مددگار ہے۔ مگر ــــــ " اسلام کی نگاہ میں حقیقی امن اور سلامتی وہی ہے جو حدود اللہ کی اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی نے امن و سلامتی کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ شیطانی نظامات کے زیر سایہ اطمینان کے ساتھ سارے کاروبار چلتے رہیں اور مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹے۔ اس نے اسلام کا نقطہ نظر بالکل نہیں سمجھا۔ کیا اسلام کا کام بس یہی ہے کہ چند عقائد اور اصول اخلاق کی تعلیم دے کر آدمیوں میں اتنی لچک اور اتنی نرمی پیدا کر دے کہ وہ ہر نظام تمدن میں خواہ وہ کسی قسم کا تمدن ہو، بہ آسانی کھپ سکیں۔ اگر معاملہ یہی ہے تو پھر اسلام بدھ مذہب یا سینٹ پال کی بنائی ہوئی مسیحیت سے زیادہ مختلف نہیں رہتا۔ " (ماہنامہ ترجمان القرآن از مولانا مودودی ستمبر تا نومبر ۱۹۶۷ء)

ستم تو یہ ہے کہ عدم رواداری کا طعنہ اس قوم کو دیا جا رہا ہے جو کشمیر میں ہزاروں عزتیں لٹا کر بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے۔ جو بوسینا میں بہتے ہوئے خون مسلم کو دیکھتے ہوئے بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے۔ جو ملک میں توہین نبوت و توہین صحابہ کے باوجود بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے۔ جو بابری مسجد کے انہدام پہ بھی رواداری کے نام پہ چپ ہے۔ شاید وہ دن دور نہیں کہ جب لوگ کہیں گے کہ چور کو چوری کی، ڈاکو کو ڈاکے کی، زانی کو زنا کی اور قاتل کو قتل کی اجازت رواداری کے نام پر کیوں نہ دے دی جائے؟ اور ہاں پھر اس ملک کے ہندو رواداری کے نام پر بیواؤں کو چتا میں جلانے کی اجازت چاہیں گے۔ اس ملک کے عیسائی میناروں پہ صلیب کو سجانے

کے طلب گار ہوں گے اور اس ملک کے قادیانی علی الاعلان مرزا غلام احمد کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر کہنا چاہیں گے۔ کیا عدم رواداری سے بچنے کیلئے اس سب کی اجازت دے دی جائے؟

یہ بالکل درست ہے کہ باہمی احترام اور رواداری سے ہی معاشرے میں صحت مند رجحانات نشوونما پاتے ہیں۔ مگر اس باہمی احترام کی کوئی حد بھی ہے کہ نہیں؟ ہماری پگڑی سر بازار اچھالی جائے۔ ہماری عزت دن دیہاڑے لوٹی جائے اور ہمارا ایمان بھی ہم سے چھینا جائے۔ تو کیا پھر بھی یہ باہمی احترام اور رواداری ایسے ہی برقرار رہے گی؟ خصوصاً جبکہ دشمن ہماری اس رواداری کو کمزوری پہ بھی محمول کرتا ہو۔ بے شک اسلام میں معاف کر دینا بہتر و برتر عمل ہے۔ مگر جہاں معاف کرنے سے شریر کے شر میں اضافے کی توقع ہو تو وہاں علمائے امت کی صراحت کے مطابق سر کچلنا ہی افضل ہوتا ہے۔ اس بات کو اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم یوں کہتے ہیں کہ اسلام میں جہاں تلوار کا بے جا استعمال ظلم ہے وہاں ظالم کے خلاف تلوار کا استعمال نہ کرنا بھی جرم ہے۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ جسطرح معاشرے کے مختلف طبقات میں باہمی رواداری نہ برتنا ظلم ہے اسی طرح عزت کے مواقع پر حمیت کا اظہار نہ کرنا بھی جرم ہے۔ اور آج کی پوری امت اس جرم میں ملوث ہے۔

ابن الحسن صاحب کے مذکورہ پیغام کی دوسری اہم بات بزبان راوی یہ ہے کہ "ہم نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ کچھ اچھا طرز عمل اختیار نہیں کیا" نہ معلوم یہ بات انہوں نے کیوں کر کہہ دی؟

وطن عزیز کے چھیالیس برس اس بات کے شاہد ہیں کہ ۹۶۰۶۷ فیصد مسلم آبادی والے اس ملک میں اپنے ہر مذہبی مطالبے کو منوانے کیلئے مسلمانوں کو کئی جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑا اور قربانیوں سے بھرپور تحاریک چلانی پڑیں۔ تب کہیں جا کر خیرات کی مانند چند سکے انکی جھولی میں گرائے گئے جبکہ اقلیتوں پر ایسی نوبت کبھی نہ آئی۔ ان کے ماتھے پہ اک شکن آئی تو ہماری حکومتوں نے اپنے انداز بدل ڈالے۔ ان کے لب وا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ان کے در پہ جا کے ان کی تمنائیں پوری کر دی گئیں۔ ہم یہ بات پورے چیلنج سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی بھی نظریاتی ریاست میں اقلیتوں سے اس سے بہتر سلوک کی مثال موجود نہیں۔ اسرائیل اور آنجہانی روس تو دور کی بات ہے۔ خود کو سیکولر کہلانے والا بھارت بھی ہمارے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتا۔ بھارت میں ایک ہفتے میں اقلیتوں پر جتنے مظالم کئے جاتے ہیں ہمارے ملک کی پوری عمر کے اعدادوشمار بھی ان سے کم ہیں۔ ادھر حکومت برما تو بھارت سے بھی دس قدم آگے ہے۔ وہاں پر مسلمان طالبعلم کیلئے اسکول میں نصب قومی جھنڈے کو جھک کر سلام کرنا لازم ہے۔ افسران کو جھک کر تعظیم کرنی ضروری ہے۔ اور ہر مسلم گھرانے پر ہفتہ میں دو دن بلامعاوضہ جبری بیگار لازمی ہے ورنہ نوے (۹۰) کھات فی کس تاوان دینا پڑتا ہے۔

وطن عزیز میں اقلیتوں کیلئے ترقی کے تمام دروازے ہمیشہ کھلے رکھے گئے تمام اعلیٰ عہدے ہمیشہ ان کی راہوں میں آنکھیں بچھاتے رہے۔ وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل سے لیکر چیف جسٹس کارنیلس تک، وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی سے لیکر آج کے جے سالک تک سب ہماری رواداری کے مظاہر اور شواہد ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں کہیں کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ اوپن میرٹ کے ساتھ ساتھ کوٹے کی صورت میں ان پر خصوصی نوازشات کی بارش بھی برسائی گئی۔ اب کوئی بد نصیب اس بھری برسات میں بھی نہانا نہ چاہے تو ہمارا کیا قصور؟

اور پھر اس لحاظ سے تو یہ ملک اقلیتوں کی جنت ہے کہ کسی ملک میں غیر مذاہب کے مبلغین کو اس قدر آزادی حاصل نہیں جو یہاں انہیں میسر ہے۔ ہم نے تو اپنے وفاقی دارالخلافہ میں ایک ایسے ریڈیو کے دفتر کی اجازت دے رکھی ہے جو خالصتاً مسیحیت کی تبلیغی نشریات کیلئے وقف ہے۔ اسے ریڈیو سپشلز کہتے ہیں یہ پاکستانی سرحدوں سے کچھ دور سپشلز جزیرے میں قائم ہے یہاں سے روزانہ پانچ گھنٹے پاکستان کی قومی اور علاقائی زبانوں میں بائیبل کی تعلیمات نشر ہوتی ہیں۔ وطن عزیز میں عیسائیت کے کم از کم ۱۸ باقاعدہ اور ۱۵ بے قاعدہ تبلیغی رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں تبلیغ کم اور اسلام پہ جارحیت زیادہ ہوتی ہے مثلاً گوجرانوالہ سے شائع ہونے والا مسیحی ماہنامہ کلام حق" کے شمارہ ۲:۲۲ اشاعت فروری ۱۹۸۷ کے ۱۶ صفحات ہیں۔ جن میں مسیحیت پر ۴ صفحے اور ۱۲ صفحے اسلام کے خلاف جارحانہ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح شمارہ ۵:۲۲ مئی ۱۹۸۷ء ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں صرف ساڑھے نو صفحات مسیحیت کے لئے ہیں باقی سب اسلام دشمنی کیلئے وقف ہیں۔ پورے ملک میں مسیحی آبادی ۱.۵۶ فیصد ہے اس کے باوجود ان کے کم از کم ۲۸ چرچ اور تبلیغی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا ھدف عیسائی کم اور مسلمان زیادہ ہیں۔ اسی طرح تبلیغ کیلئے پندرہ خط و کتابت سکول کام کر رہے ہیں۔ جو اردو زبان میں ۲۴ اور انگریزی میں ۵۲ کورسز کروا رہے ہیں۔ ان سب کورسز میں صرف دو کورس مسیحی افراد کیلئے ہیں باقی سب کورس مسلمانوں میں تبلیغ کیلئے وقف ہیں۔ ہمارے سرکاری ذرائع ابلاغ بھی اس فیاضی اور رواداری میں کسی سے کم نہیں ریڈیو پاکستان لاہور گڈ فرائڈے، ایسٹر، کرسمس کی شام اور کرسمس ڈے کے تہواروں پر ایک ایک گھنٹہ کے پروگرام نشر کرتا ہے۔ جو خود مسیحی حضرات کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ بلکہ کرسمس ڈے پہ تو چرچ سے براہ راست سروس نشر کی جاتی ہے۔ ایسے ہی پاکستان ٹیلی ویژن تمام اسٹیشنوں سے ایسٹر پہ ۴۵ منٹ اور کرسمس پہ ایک گھنٹے کا ڈرامہ پیش کرتا ہے۔ پاکستان کی دوسری بڑی اقلیت ہندو ہیں جو کل آبادی کا ۱.۵۱ فیصد ہیں۔ اس اقلیت کے بھی ۷ باقاعدہ اور کئی بے قاعدہ رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں۔ بہت سے اہم پبلی کیشنز کے ادارے ان کی ملکیت ہیں۔ پورے سندھ کی تجارت پر ان کا کنٹرول ہے۔ یہی نہیں بلکہ اب راضی کاٹن فیکٹری اور موں کاٹن فیکٹری میر پور خاص کے مالک رتن لال کو ۸۳-۸۲ اور ۸۷-۸۶ میں بھاری قرضہ غیر قانونی طور پر دے کر قومی خزانے کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔ ابھی تک رتن لال پر ایک کروڑ ۶۰ لاکھ روپے واجب الادا ہیں۔ مگر اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ صوبہ پنجاب میں ہندو آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود ریڈیو پاکستان لاہور کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ جنم اشٹمی پہ ۲۰ منٹ کا خصوصی پروگرام نشر کرتا ہے۔ جبکہ دسہرا، بالمیک جی کا دن اور دیوالی پہ ۱۰-۱۰ منٹ کی خصوصی نشریات ہوتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان حیدر آباد دسہرا، دیوالی اور ہولی پہ آدھ آدھ گھنٹے کے پروگرام نشر کرتا ہے۔

ملک کی تیسری اقلیت قادیانی و لاہوری صرف ۰.۱۲ فیصد ہیں۔ اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود ان کے لئے نہ صرف تمام کلیدی عہدوں کی راہیں کھلی ہیں بلکہ ان کے ۷ ماہنامے ایک ہفتہ وار اور ایک روزنامہ اخبار تبلیغی مقاصد کے تحت شائع ہو رہے ہیں۔ اس طرح لاہوری گروپ کے بھی دو اخبار شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ اقلیت ملک کی عجیب اقلیت ہے۔ قانون و آئین شکنی ان کا شیوہ ہے۔ دھونس دھاندلی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ ملک عزیز

کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں بھی یہ سب سے تیز ہے۔ اور دوسری طرف مفادات سمیٹنے میں بھی سب سے آگے ہے۔ بقول ان کے کہ یہ ان پہ ابتلا کا دور ہے مگر اس کے باوجود ان کی مطبوعات اور جرائد کی تحریروں میں جارحیت کا یہ انداز ہے کہ مسلم اکثریت کی دل آزاری اور قانون شکنی کے زمرے میں آتی ہیں۔ اقلیتی تہواروں پر حکومت کی طرف سے اقلیتوں کو باقاعدہ تعطیل کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ بلکہ صوبہ پنجاب میں تو ۲۵ دسمبر کے علاوہ ۲۶ دسمبر کو بھی مسیحی برادری کیلئے آپشنل تعطیل کا اعلان کیا گیا ہے۔

مسلمان اپنے تہواروں پر اسی تنخواہ میں گزارہ کرتے ہیں جبکہ اقلیتوں کو یہ سہولت بھی حاصل ہے کہ وہ بینیوونیٹ فنڈ سے رقم حاصل کر کے اپنے تہوار شایان شان طریقے سے منا سکتے ہیں۔ کسی مسلم تعلیمی ادارے میں اقلیتوں کو ان کے مذہب کے برعکس، کسی عمل پہ مجبور نہیں کیا جاتا جبکہ مسیحی مشنری سکولوں سے یہ شکایات اکثر موصول ہوتی رہتی ہیں کہ وہاں مسلمان طلباء کو بائبل بھی پڑھائی جاتی ہے اور ان کے سینوں پر صلیب بھی سجائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں سینٹ میری ہائی سکول حیدر آباد کے بارے میں خبر روزنامہ جنگ کراچی میں مورخہ یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو شائع ہوئی ہے۔ یہ تھی اس رواداری اور اقلیتوں سے طرز عمل کی ایک ہلکی سی جھلک۔ اگر ہمارے دانشور ہمارے اس طرز عمل پر بھی مطمئن نہیں تو پھر ہم ان سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کیا رواداری یہ ہو گی کہ ہم بھی گرجوں کو آگ لگا دیں جسطرح کہ لیوٹن، آشٹن، دلور، ہمیٹن بر منگھم، اولڈھم ڈڈلے اور باٹسے میں مساجد کو آگ لگائی گئی تھی؟

کیا ہم بھی عیسائی خاندان کو زندہ جلادیں جسطرح کہ والتھم فارسٹ (لندن) بیلگر یو روڈ پر محمد یونس خاں کی بیوی اور تین بچوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے مکان سمیت آگ لگادی گئی تھی؟ کیا ہم بھی گرجوں میں علی الصبح اور رات کو عشا کے وقت بجنے والے گھڑیاں اور گھنٹے پہ پابندی لگادیں؟ جس طرح کہ برطانیہ میں سپیکر پر اذان دینے کی پابندی ہے؟ کیا ہم بھی مذہبی تہواروں پہ تعطیل بند کر دیں؟ جس طرح کہ برطانیہ کی مسلم اقلیت اس حق سے محروم ہے؟ کیا ہم بھی مخصوص کوٹے پر فائز صوبائی اور قومی اسمبلی کے اقلیتی ممبران کی چھٹی کروا دیں؟ جس طرح کہ برطانیہ میں ۲۵ لاکھ مسلمانوں کا کوئی نمائندہ بھی اسمبلی میں نہیں۔ کیا ہم بھی اقلیت کش جماعتیں بنا لیں؟ جسطرح کہ برٹش موومنٹ اور نیشنل فرنٹ بنادی گئی ہیں؟ کیا ہم بھی عیسائیت اور اسکی مقدس شخصیات کے بارے میں زہر اگلنے والی زبانوں کو تحفظ دے دیں؟ جسطرح کہ سلمان رشدی کو حفاظت دی گئی ہے؟ کیا ہم بھی جوتوں پہ بائبل کے الفاظ نقش کروادیں؟ جسطرح کہ لیسٹر میں عیسائی عورت کلمہ طیبہ والے جوتے فروخت کیا کرتی تھی؟ مگر مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اور جب ہم یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو خدا کیلئے ہمیں عدم رواداری اور ناقص طرز عمل کے طعنے بھی نہ دیجئے۔ یہ ملک جس کی بنیادوں میں ۲۰ لاکھ مسلمانوں کے لاشے دفن ہیں آج اس ملک کی اسمبلی کو اسلامی ایوان کہنے پہ بھی ہماری اقلیتیں سیخ پا ہو جاتی ہیں۔ (روزنامہ جنگ لاھور ۲۱۔ دسمبر ۱۹۹۳ء) جس محمد عربی ﷺ کے پیارے نظام کو نافذ کرنے کیلئے ہم نے قربانیاں دی تھیں۔ آج اس کی عزت و عصمت بھی محفوظ نہیں رہی۔ اگر مسلمانوں کے لگاتار مطالبے پہ اس ذات اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی زبانوں کیلئے کوئی قانون بن گیا ہے تو ہماری اقلیتیں اس کے بھی درپے

ہیں۔ نفاذ اسلام کیلئے اگر کبھی شریعت بل کے نام سے کوئی کوشش کی گئی تو ہماری یہ محبوب اقلیتیں اسے ملائیت بنیاد پرستی، شرارت بل اور آکاس بیل کہتی ہیں۔ (مسیحی ماہنامہ کارِتاس لاہور اگست ۹۲) دن رات اپنے رسائل میں ہمارے عقائد و نظریات کا مذاق اڑاتی ہیں نہ صرف مذاق بلکہ جلسے، جلوسوں اور ناروا پروپیگنڈہ کے طوفان اٹھاتی ہیں۔

بڑے بڑے ہوٹلوں میں سینکڑوں حاضرین کی خاطر تواضع کرتے ہوئے پاکستان کے آئینی، سیاسی، معاشی، اقتصادی اور لسانی حقوق کے بحران پر سیمینار کرواتی ہیں۔ اک ہمارا بڑا بے ضرر اور بڑا اصولی سا مطالبہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافہ کا تھا۔ مگر اس کے خلاف بھی یہ خم ٹھونک کر میدان میں نکل آتی ہیں۔ نہ صرف جلسے جلوس اور بھوک ہڑتالیں بلکہ پاکستان میں بوسنیا ایسے حالات کے پیدا ہونے کی دھمکی بھی دیتی ہیں۔ ہم تو اتنے رواداد ہیں کہ ہم نے ایک ایسی اقلیت کو جو پاکستان میں انگلیوں پہ گنی جا سکتی ہے۔ گوردواروں کی توسیع کیلئے ساڑھے تین کروڑ روپے وقف کر دیئے ہیں۔ صرف ایک گوردوارہ واقع سچا سودا فاروق آباد پہ ۴۵ لاکھ روپے لگا دیئے ہیں اور اس اقلیت کا جلوس ہر سال اس شان سے نکلتا ہے کہ آگے آگے پانچ سکھ پیلے جھنڈے اٹھا کے چلتے ہیں انکے پیچھے پانچ پیارے ننگی تلواریں سونت کر چلتے ہیں اور "جو بولے سو نہال ست سری اکال" کے نعروں سے یہ سرزمین اسلام گونج اٹھتی ہے مگر پھر بھی یہ آواز اٹھتی ہے کہ ہم اپنی اقلیتوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ یہاں تو ۹۷ فیصد آبادی کو اپنے مذہبی شعائر کے تحفظ کی ضمانت نہیں جبکہ باقی تین فیصد کو ہر ضمانت پر سہولت حاصل ہے۔ ایسے میں کون ہے جو ہمارے آنسو خشک کرے ہمارے زخموں پہ مرہم رکھے۔ یہاں تو...... جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

الطاف حسن قریشی صاحب! آپ تو ان لوگوں میں شامل ہیں جن سے ہماری امید کے دیئے روشن ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم تو رتہ دوھتڑ توہین رسالت کیس کے مجرموں کو بھی ضمانت پہ رہا کر دیتے ہیں۔ ہم تو ایمپریس روڈ سے لیکر مال روڈ تک حضرت مسیح کی الوھیت اور خدائی کا اعلان کرنے والے بینروں کے نیچے سے بھی سر جھکا کے گزر جاتے ہیں۔ ہم تو رواداری، فیاضی و مروت کی سرحدیں عبور کرتے ہوئے بزدلی اور بے حمیتی کی اس وادی میں آن پہنچے ہیں جہاں دشمن ہم پہ گولی چلانا بھی حماقت سمجھتا ہے۔ (کہ سربراہ صدر نے یہی کہا تھا) ہاں واقعی اس نے ٹھیک کہا تھا کہ ہم تو ویسے ہی رواداری کے ہاتھوں مرے جاتے ہیں۔ گولی چلانے کی کیا ضرورت۔ قریشی صاحب اور فرمائیے آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ ہم نے مانا کہ یہ پیغام، آپ کا پیغام نہیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر بڑے کی ہر بات بڑی ہو!

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کو دیجئے۔ بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک: اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی، ملتان۔